اصلاحِ اُمت کا اسلامی طریقہ

تحریر: سیدی مرشدی حضرت خواجہ محمد طاہر مدظلہ

نوٹ: کون نہیں جانتا کہ آج پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں دینی مدارس، تبلیغی مراکز اور خانقاہیں موجود ہیں، علماءِ کرام، مبلغین حضرات، وعظ و تقریر کی مجالس و محافل خواہ جلسہ، جلوسوں کی کوئی کمی نہیں، لیکن عملی میدان میں مسلمان دن بدن، آگے نہیں پیچھے جا رہے ہیں۔ الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن:

؎ "مُلّا کی اذاں اور ہے مجاھد کی اذاں اور" کے مطابق وہ پہلے سی تاثیر نہیں جو کہ ایک عام سیدھے سادھے درویش کے کلام میں ہوتی تھی، جس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ آج ہم نے ماسلف کا وہ تبلیغی طریقہ کار ترک کر دیا جو کہ اسلام کے اصولوں کے عین مطابق اور پُرتاثیر تھا۔ پیشِ نظر مضمون "اصلاحِ امت کا اصلاحی طریقہ" میں پیرِ طریقت رہبرِ شریعت قبلہ الحاج علامہ محمد طاہر صاحب بخشی نقشبندی مدظلہ نے ان ہی بنیادی امور کا عمدہ پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ جن کو اپنا کر علماء اور مبلغین حضرات اپنے عمل و کردار میں خلوص وللّٰھیت اور تبلیغی طریقہ کار میں اصلاحی تبدیلی لاکر مزید امتِ مسلمہ کی خدمت کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ (سورۃ النحل ۱۲۵)

ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ (دینِ اسلام) کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلائیں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ (اگر بحث مباحثے کی نوبت آجائے تو)

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور سرورِ کائنات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء سید المرسلین تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خیر الامم یعنی تمام امتوں سے بہتر، اس امت کے خیر الامم ہونے کی ایک وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (العمران آیت ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ (حٰمۤ سجدہ آیت نمبر ۳۳)

ترجمہ "گفتار کے اعتبار سے اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔"

اور دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ یَاْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ:۔ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کا ایک اہم فریضہ تبلیغ دین مصطفوی ہے۔ تبلیغ دین کی فضیلت و اہمیت جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں، کتنی ہے؟ کیا ہے؟ یہ ایک الگ طویل موضوع ہے جس کو بیان کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ تبلیغ دین کا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیئے۔ الحمد للہ، ہمارے فقراً احباب میرے پیرومرشد کے خلفاء حضرات، دین کی اشاعت و سرفرازی کے لیے دن رات کوشاں ہیں اور الحمد للہ ثم الحمد للہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات، اور پیران کبار کی توجہات عالیہ کے طفیل، بہت ہی اچھے ثمرات و نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں جس قدر اللہ کی رضا، اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات مبارکہ کا زیادہ خیال رکھا جائے گا اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا اور اچھے سے اچھے ثمرات مرتب ہوں گے، اور عند اللہ ماجور ہونگے۔

تو اس سلسلہ میں تمام مسلمان مبلغین، بالخصوص ہمارے اہل طریقت فقراً احباب کو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے لیے اس سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا احکامات ہیں؟ اور ہمارے مشائخ طریقت، پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کس قدر ان فرمودات کی اہتمام سے پابندی کی؟ انہوں نے کونسا وہ طریقۂ کار اختیار کیا جس کی بنا پر ان کو غیر معمولی کامیابیاں حاصل ہوئیں تاکہ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر صحیح معنوں میں دین کی خدمت کر سکیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے "اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (سورہ النحل۔ آیت نمبر ۱۲۵)

اس آیت مبارکہ میں دعوت و تبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے آداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔

دعوت الی اللہ در اصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے۔ امت کے علماء یا مبلغین جو اس منصب کو نائب ہونے کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہیں ان پر لازم ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہیں سے سیکھیں، جو دعوت ان طریقوں پر نہیں ہوتی وہ بعض اوقات دعوت کے بجائے عداوت اور ہدایت کے بجائے جنگ و جدال کا موجب بن جاتی ہے اس آیت مبارکہ میں دعوت الی اللہ کے لیے پہلی شرط یا پہلا اصول یہ بیان فرمایا گیا کہ وہ بالحکمۃ ہو، صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ "حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعے انسان مقتضیات احوال معلوم کر کے اس کی مناسبت سے کلام کرے۔ وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو۔ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی برتے اور جہاں یہ سمجھے کہ صراحتہً کہنے سے مخاطب کو شرمندگی ہوگی وہاں اشارات سے کلام کرے۔ یا کوئی ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو شرمندگی نہ ہو اور نہ اس کے دل میں اپنی بات پر جمے رہنے کا تعصب پیدا ہو، صاحب روح المعانی نے حکمۃ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "اِنَّھَا الکَلامُ الصَّوابُ الوَاقِعُ مِنَ النَّفْسِ اَجْمَلَ مَوْقِعٍ" یعنی حکمۃ اس درست کلام کا نام ہے جو دل سے مناسب موقع پر نکلے۔

اَلْمَوْعِظَۃ۔ موعظۃ اور وعظ کے لغوی معنی یہ ہے کہ کسی کی خیر خواہی کی بات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اس

سے مخاطب کا دل نرم ہو کر قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے مثلاً اس کے قبول کرنے کے فوائد اور نا قبول کرنے کے عذاب اور مفاسد ذکر کیے جائیں۔

اَلْحَسَنَة کے معنیٰ یہ ہے کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا دل مطمئن ہو یعنی مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں صرف اس کی خیر خواہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔

موعظة کے لفظ سے خیر خواہی کی بات مؤثر انداز میں کہنا تو واضح ہو گیا تھا مگر خیر خواہی کی بات بعض اوقات دل خراش عنوان یا اس طرح بھی کہی جاتی ہے جس سے مخاطب اپنی اہانت محسوس کرتا ہے۔ اس طریقہ کو چھوڑنے کے لیے لفظ حسنة کا اضافہ کیا گیا یعنی خیر خواہی کی بات اس انداز سے کہی جائے کہ مخاطب اس میں کوئی دکھ یا اپنی اہانت محسوس نہ کرے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ دعوت کے لیے تین اصول ہیں۔ حکمة، موعظة اور مجادلہ بالاحسن۔ لیکن علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے اس بات کو واضح فرمایا کہ "آیۂ مبارکہ کے نسق سے یہ معلوم ہوتا ہے اصولِ دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک حکمة، دوسرا موعظۃ حسنة، تیسری چیز اصولِ دعوت میں داخل نہیں۔ یہاں دعوت الی اللہ میں کبھی اس کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے۔

اگر یہ تینوں چیزیں اصولِ دعوت میں ہوتیں تو تینوں کو عطف سے بیان کیا جاتا اور یوں فرمایا جاتا بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَالْجِدَالِ الْاَحْسَنِ، مگر قرآنِ کریم نے حکمة اور موعظة کو تو عطف سے بیان فرمایا اور مجادلہ کے لیے الگ جملہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فرما کر ان کے درمیان فرق کی طرف اشارہ فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ اصولِ دعوت دو چیزیں ہیں حکمت، اور موعظت حسنہ جن سے کوئی دعوت الی اللہ (تبلیغ دین) خالی نہیں ہونی چاہیے۔

اگر دعوتِ الی اللہ میں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑ جائے جو شکوک و اوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث و مباحثہ پر آمادہ ہیں تو ایسی حالت میں بحث و مباحثہ (مجادلہ) کی اجازت دی گئی مگر اس کے ساتھ بھی احسن کی شرط لگائی گئی۔ یعنی اس مجادلہ میں بھی لطف و نرمی اختیار کی جائے۔ ہٹ دھرمی کی راہ اختیار نہ کی جائے۔ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہے اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں ایک اور آیۂ مبارکہ کو بھی ذہن نشین کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ہارون علیہ السّلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو حکمِ الٰہی ہوا کہ "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى"۔ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔ یا ڈر جائے۔ (عذاب الٰہی سے) (سورۂ طٰہٰ۔ آیت نمبر ۴۴)

اب یہ بات ہر مبلغ ہر واعظ داعی الی الحق کو ذہن نشین کرنی چاہیے کہ آج ہم جن لوگوں کو دعوتِ الی اللہ دیتے ہیں۔ بالفاظ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں ہیں اور ہم میں سے کوئی حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت ہارون علیہ السّلام کے برابر نہیں لیکن کیا عجیب بات ہے فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الحق میں کفر پر ہی ہونے والی ہو۔ اس کی طرف بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے اولی العزم پیارے پیغمبر کو داعی الی الحق بنا کر بھیجتے ہیں تو ان کو بھی امر ہوتا ہے "فقولا لہٗ قولا لینا" اس

سے نرمی سے بات کرنا کیونکہ اس کا مقدر کچھ بھی ہے آپ کے شایانِ شان یہ ہے کہ آپ اس سے احسن طریقہ سے پیش آئیں۔

حضرت علامہ قرطبی نے تحریر فرمایا کہ " حضرت طلحہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امام تفسیر وحدیث حضرت عطا سے کہا کہ آپ کی مجلس میں فاسد عقیدے والے لوگ بھی جمع رہتے ہیں مگر میرے مزاج میں تیزی ہے میرے پاس ایسے لوگ آتے ہیں تو میں ان کو سخت باتیں کہہ دیتا ہوں۔ حضرت عطاؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ قُولُوا النَّاسِ حُسْنًا، اس میں تو یہودی نصرانی بھی داخل ہیں مسلمان خواہ کیسا ہی ہو وہ کیوں نہ داخل ہوگا۔ قرطبی۔

جب ہم احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرتے ہیں تو بھی ہمیں یہی حکم ملتا ہے۔ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا، (صحیح بخاری شریف۔ کتاب العلم)

" لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ، انہیں مایوس یا متنفر نہ کرو۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے۔ " لَا تَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَآءَ وَلِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلِتَصْرِفُوْا بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَهُوَ فِي النَّارِ (رواہ ابن ماجہ)

" علم دین کو اس غرض سے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعے دوسرے علماء کے مقابلہ میں فخر و عزت حاصل کرو یا کم علم لوگوں سے جھگڑا کر کے اس کے ذریعے لوگوں کی توجہ اپنی طرف موڑ لو اور جو ایسا کرے گا وہ آگ میں ہوگا۔"

اس سلسلہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو " كَانَ مَالِكٌ يَقُوْلُ الْمِرَاءُ وَالْجِدَالُ فِي الْعِلْمِ يُذْهِبُ بِنُوْرِ الْعِلْمِ عَنْ قَلْبِ الْعَبْدِ وَقِيْلَ لَهٗ رَجُلٌ لَهٗ عِلْمٌ بِالسُّنَّةِ فَهَلْ يُجَادِلُ عَنْهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ يُخْبِرُ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ قَبِلَ مِنْهُ وَاِلَّا سَكَتَ ، اوجزا لمسالك

(شرح مؤطا امام مالک)

امام مالکؒ نے فرمایا علم میں جھگڑا اور جدال نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو گیا وہ حفاظتِ سنت کے لیے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے پھر اگر قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے"۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ " علم تو اہلِ علم و فضل کے مابین ایک رحم متصل (رشتۂ اخوت و برادری) ہے تو وہ لوگ جنہوں نے علم ہی کو عداوت بنا لیا ہے وہ دوسروں کو اپنے مسلک کی اقتدا کی دعوت کس طرح دیتے ہیں؟ ان کے پیش نظر دوسرے پر غلبہ پانا ہی ہے تو پھر ان سے باہمی انس و مؤدت اور مروت کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور ایک انسان کے لیے اس سے بڑھ کر شر اور برائی اور کیا ہوگی کہ وہ عمل اس کو مومنین اور متقین کے اخلاق سے محروم کر دے اور منافقین کے اخلاق میں مبتلا کر دے۔

بہر حال مقصود عرض یہ ہے کہ اس طرح کی تنبیہات و ہدایات بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ان تمام کا مقصد ایک ہے وہ صرف اور صرف یہ کہ ایک مبلغ، ایک واعظ، ایک داعی الی الحق ایک داعی الی السنۃ کو، سب سے پہلے تو اپنی نیت کو صاف کرنا ہے کہ جو کام کرنا ہے کسی دکھاوے کے لیے نہیں کسی کو بتلانے کے لیے نہیں کسی غرض و لالچ کے لیے نہیں، خالص لوجہ اللہ، اللہ کی رضا کی خاطر کرنا ہے اور اس کا طریقہ ایسا اختیار کرنا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے

پہلے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ سامنے ہونی چاہیئے اور آپ کے بیان کردہ اصولِ تبلیغ ہمیشہ سامنے ہوں جن میں اہم باتیں حکمۃ، موعظہ حسنۃ قول لینا قولِ احسن شامل ہے اور اس میں مقصد صرف اور صرف دوسرے کی خیر خواہی ہو کسی کی دل آزاری نہیں اور باتیں ایسی کہی جائیں کہ اگلے کی سمجھ میں آنے کی ہوں اور اس انداز سے کی جائیں کہ مخاطب کی توہین و تذلیل کا کوئی شائبہ تک نہ ہو بلکہ یہ کوشش کی جائے کہ مخاطب کو یہ محسوس ہونے لگے کہ داعی کا مقصد صرف اور صرف میری خیر خواہی ہے اور مخاطب آپ کی باتوں سے بجائے متنفر ہونے کے آپ کی باتوں پر غور کرنے کے لیے مجبور ہو جائے۔ جیسے مندرجہ ذیل مکتوبِ مبارک کو پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ ہمارے اکابرین مشائخ طریقت کا کیسا پیارا انداز ہے۔ اور مخالف کے لیے جو کڑوی سے کڑوی بات ہے اس کو بھی اس انداز سے بیان فرما رہے ہیں کہ مخاطب بھلے اس کا کسی بھی مکتبۂ فکر سے متعلق ہے اس بات پر سوچنے کے لیے مجبور ہو جائے کہ میں جو عمل کر رہا ہوں یا میرا جو عقیدہ ہے اس میں کتنی قباحتیں ہیں اس کے کیا نتائج ہیں۔ اس مکتوب مبارک کو پڑھ کر ایک تو فی نفسہٖ ان مسائل میں رہنمائی بھی حاصل کرتی ہے اور ساتھ میں اس بات پر بھی غور کرنا ہے کہ آپ نے ایک نزاعی اور اہم مسئلہ کو کس پیارے انداز سے بیان فرمایا ہے۔ ہمیں بھی بجائے کسی پر لعن طعن کرنے کے ایسا ہی موعظانہ، حسین طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ..... اِلٰی

...... قَوْلُهٗ تَعَالٰی ..... لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ (سورۃ الفتح۔ آیت ۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ..... الی ..... تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اس محبت و مہربانی جو ان کی آپس میں تھی، مدح فرمائی ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں لفظ رحیم جو کہ رحماء کا واحد ہے مبالغہ کو مشتمل ہے یعنی وہ آپس میں بہت زیادہ مہربان ہیں۔ اور یہ لفظ رحیم صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ صفت مشبہ استمرار (ہمیشگی) پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا اس لفظ رحیم کا تقاضا ہے کہ ان صحابہ کرامؓ کی آپس میں محبت و مہربانی ہمیشہ ہونی چاہیے۔ چاہے حضور کی زندگی مقدسہ میں چاہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد اور اس لفظ مبارک کا تقاضا ہے کہ وہ باتیں جو محبت و مہربانی کے منافی ہیں۔ ہمیشہ کے لیے ان بزرگوں سے الگ ہوں اور ان حضرات سے احتمال بغض و کینہ، حسد، عداوت ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ان سے منتفی (الگ) ہوں اور لفظ الَّذِیْنَ کا تقاضا ہے کہ یہ تمام اوصافِ جمیلہ تمام صحابہ کے درمیان پائی جانی چاہئیں۔ کیونکہ لفظ الَّذِیْنَ میں عموم بھی ہے اور استغراق بھی۔ اور جب یہ اوصاف تمام صحابہ کے لیے ہیں تو وہ صحابہ کرام جو اکابر صحابہؓ میں سے ہیں ان میں تو یہ اوصاف علیٰ وجہ الاتم والاکمل ہونی چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ، اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ یعنی وہ تمام کمالات اور لوازم جو نبوت کے لیے درکار ہیں تمام کے تمام حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں ۔ لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے ۔ لہٰذا ان کو منصب نبوت سے مشرف نہیں فرمایا گیا ۔ اور نبوت کے لوازمات میں سے ایک لازم کمال مہربانی اور مخلوق پر شفقت ہے اور وہ رذائل جو شفقت اور مہربانی کے منافی ہیں وہ برے اخلاق میں شامل ہیں ۔ جیسے کہ حسد، بغض، کینہ اور عداوت، ایک ایسی جماعت کے بارے میں تصور کرنا جو حضرت خیر البشر کی صحبت سے مشرف ہوئے ہوں ۔ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات، کیونکر ممکن ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ یہ امت خیر الامم ہے اور یہ لوگ صحابہ کرام رض اس امت میں سے بہترین لوگ ہیں اور یہ لوگ اس ملۃ (مسلمہ) کے سابق ترین ہیں جو کہ تمام ملتوں کو منسوخ کرنے والا ہے ۔ اور ان کا زمانہ بہترین قرون گذرا ہے اور ان کا صاحب یعنی جس ذات کی انہوں نے صحبت کی ہے فاضل ترین نبی و مرسل ہیں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ، (میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں لیکن مجھے فخر نہیں) ۔ اگر یہ لوگ بھی ایسی صفات سے متصف ہو جائیں کہ جن صفتوں سے اس امت کے ایک عام آدمی کو بھی عار ہے تو پھر ان کو اس امت میں سے بہترین کیسے کہا جا سکتا ہے اور اس امت کو خیر الامم کیسے کہا جا سکتا ہے اور ان بزرگوں کے سابق الایمان ہونے اور انفاق مال فی سبیل اللہ میں اولیت حاصل کرنے کا کیا فائدہ اور انہوں نے جو اپنی جانیں قربان کیں اس کا کیا فائدہ اور ان کے قرن (زمانہ) کو خیر القرون ہونے سے کیا فائدہ اور حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے فضل کا کیا اثر ہوا ۔ اگر کوئی جماعت اولیاء اللہ کی صحبت میں زندگی گذارتی ہے تو وہ بھی ایسے رذائل سے نجات پا لیتے ہیں اور ایک ایسی جماعت کہ جس نے افضل الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت میں اپنی عمر کو صرف کیا ہو ۔ اور دین کی تائید و نصرت دین کے لیے اپنے مال اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کے حق میں ایسے اخلاق ذمیمہ کے بارے میں وہم کیا جائے ۔ ہاں یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ عظمت و بزرگی خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو نظر سے ساقط کیا جائے عیاذاً باللہ سبحانہ ۔ اور ان کی صحبت کو ایک ولی امت کی صحبت سے بھی ناقص تر خیال کیا جائے ۔ ونعوذ باللہ سبحانہ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ولی امت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے شرف کو نہیں پہنچ سکتا ۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (جو صحابہ رض کی تعظیم نہیں کرتا اس کا رسول اللہ پر ایمان نہیں ہے) کچھ لوگ (شیعہ فرقہ) یہ گمان کرتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات دو فریق تھے ایک گروہ وہ تھا جو حضرت امیر رض (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخالفت رکھتا تھا اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو حضرت علی رض کی موافقت میں تھا ۔ اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض و کینہ رکھتے تھے ۔ البتہ ان میں سے بعض لوگ بعض مصلحتوں کی وجہ سے اپنی ان باتوں کو پوشیدہ رکھتے تھے اور تقیہ کرتے تھے اور جب تک صحابہ رض کا قرن (زمانہ) رہا یعنی تقریباً ایک سو سال تک یہ کیفیت رہی اور یہ رذائل و ذمائم ان میں موجود رہے ۔ اور اس وہم سے حضرت امیر رض کے مخالفوں کو برا کہتے ہیں اور نامناسب باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ انصاف کرنا چاہیے کہ اس صورت میں دونوں فریق طعن کے لائق اور رذیلہ صفتوں سے متصف ہو جاتے ہیں اُس صورت میں اس

امّت کے بہترین لوگ تمام امتوں میں سے بدترین ہوجاتے ہیں (معاذاللہ) اور اس زمانہ کی اچھائی، برائی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس وہم سے برا بھلا کہیں، اور ان اکابر دین کی طرف نامناسب امور کو منسوب کیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ بحکم نص قرآن اتقاءِ این امت ہیں یعنی اس امت میں سب سے زیادہ متقی پرہیزگار ہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضؓ اور دوسرے مفسرین کا اجماع ہے کہ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوا ہے اور اس اتقیٰ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ پھر سوچنا چاہیے وہ شخص جسے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اتقاءِ این امت خیرالامم (جو امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اس امت کا سب سے زیادہ متقی) قرار دے ایسے شخص کی تکفیر وتفسیق اور تضلیل یعنی ایسے شخص کو کافر، فاسق یا گمراہ کہنا کتنی بری بات ہے۔

امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ نے اس آیۂ کریمہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ثابت فرمایا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے مطابق سب سے زیادہ بزرگ اس امت کا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سابق نص قرآن کے بموجب اس امت کے اتقیٰ ہیں تو اس نص قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ اکرم (عزت والا) بھی وہی شخص (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں۔

اور اکابر آئمۂ سلف جن میں سے ایک امام شافعی علیہ الرحمۃ بھی ہیں انہوں نے حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت پر اجماع صحابہ وتابعین کو ثابت کیا ہے۔

اور حضرتِ امیر (علیؓ) نے بھی حضراتِ شیخین کی افضلیت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ امام ذہبی علیہ الرحمۃ جو کہ اکابر محدثین میں سے ہیں، نے فرمایا ہے کہ یہ بات حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ سے اسّی (راویوں) سے بھی زیادہ نے روایت کی ہے۔ اور عبدالرزاق جو کہ خود اکابر شیعہ میں سے ہیں انہوں نے اس روایت کی بنیاد پر افضلیتِ شیخین کا حکم صادر کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ "افضل الشیخین بتفضیل علی ایاهما علی نفسه وَالا لما فضلتهما کفٰی لی وزرًا ان اُحبه ثم اُخالفه"

(میں شیخین کو اس لیے افضل جانتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے خود ان کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے ورنہ میں کبھی ان کو (حضرت علیؓ پر) فضیلت نہ دیتا۔ مجھے اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ میں حضرت علیؓ سے محبت کروں اور اُن (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حکم) کی مخالفت کروں۔

پس وہ شخص جو کتاب، سنت، اجماع اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم کے مطابق اس امت خیرالامم میں سب سے افضل ہوں ان کی تنقیص وتحقیر کرنا کون سا انصاف اور دیانت داری ہے اور اس میں کونسی بہتری اور خیریت ہے۔

اگر کسی شخص کو گالی دینا خیریت وعبادت ہوتی تو ابوجہل اور ابولہب جو قرآنی نصوص سے مردود وملعون ہیں ان کو گالی دینا اس امت کا ورد ہوتا اور اس ورد سے بہت سی نیکیاں حاصل کی جاتیں۔ لیکن گالی دینے میں کونسی خیریت ہے جو کہ فحش اور برائی کو شامل ہے۔ خاص کر اس شخص کے حق میں جو اس کے لائق بھی نہ ہو۔ اور کسی چیز کو نامناسب جگہ پر استعمال کرنا کتنا ظلم ہے۔ اور ایک شے سے دوسری شے تک اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بہت تفاوت ہے اسی طرح ایک ظلم سے دوسرے ظلم تک بہت فرق ہے۔ (اسی طرح یہ اور بڑا گناہ ہے کہ کسی افضل کو ادنیٰ ثابت کیا جائے۔)

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت ہوچکی ہے اور اس قرنِ خیرالقرون

کے بڑے چھوٹے اور تمام مرد و عورتوں کے اتفاق سے ثابت ہے۔ لہٰذا علماء نے فرمایا ہے کہ جس قدر اتفاق و اتحاد حضرت ذوالنورین رضؓ کی خلافت پر حاصل ہوا ہے۔ حضرات خلفاءِ ثلاثہ میں سے کسی کی خلافت پر حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خلافت کی ابتدا ہی میں چونکہ ایک قسم کا تردد تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے لوگوں نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے توجہ کی ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ اصحابِ کرام رضؓ کتاب و سنت کے پہنچانے والے ہیں۔ اور اجماع بھی ان کے زمانہ کے متعلق ہوا ہے۔ اگر ان سب کے سب پر یا ان میں سے بعض پر طعن کیا جائے اور ان کو گمراہی اور فسق سے موصوف کیا جائے تو پورے یا کم از کم بعض دین سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، اور حضرت خاتم الانبیاءؑ افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فائدہ کم ہو جاتا ہے۔

جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں اگر یہ مطعون ہوں یا ان میں بھی عدالت نہ ہو تو پھر قرآن کریم پر کیا اعتبار رہے گا اور دین کس چیز پر قائم ہوگا۔ اس حقیقت کی برائی کو اور قباحت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ عادل ہیں اور ان کی تبلیغ سے قرآن، سنت یا جو کچھ ہم تک پہنچا ہے سب صحیح و برحق ہے۔ اور وہ لڑائی جھگڑے حضرت امیر رضؓ کی خلافت کے زمانہ میں واقع ہوئے ہیں وہ ہوا اور ہوس حبِ جاہ و ریاست کی بنیاد پر نہ تھے۔ بلکہ اجتہاد و استنباط کی بنیاد پر تھے چاہے کسی ایک کا اجتہاد صحیح نہ ہو اور انکا استنباط صواب سے دور ہو۔

علماءِ اہلِ سنت کے یہاں یہ بات ثابت ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت امیر (علیؓ) حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ لیکن اس خطا کی منشاء اجتہاد تھا اور جس خطا کی منشاء اجتہاد ہو طعن اور ملامت سے دور ہے مقصد یہ ہے کہ حق حضرت امیر (علیؓ) کی جانب تھا اور خطا ان کے مخالف کی جانب، جس کو اہل سنت بھی مانتے ہیں۔ لیکن مخالف کو لعن و طعن اور بیجا بولنا زیادتی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس میں نقصان کا پہلو غالب ہے، کیونکہ یہ سب اصحابِ پیغمبرؐ ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی خوشخبری ملی ہوئی ہے۔ اور بعض بدری صحابی ہیں جو کہ مغفور ہیں، اور ان سے عذابِ آخرت مطلقاً مرفوع ہے۔ جیسے کہ صحیح احادیثِ مبارکہ میں وارد ہے۔

"اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ" (اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر مطلع ہو کر فرمایا جو چاہو کرو بلاشبہ میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔)

اور بعض صحابہ وہ ہیں جو بیعتِ رضوان میں مشرف بہ بیعت ہوئے تھے۔ جن کے حق میں حضور سرورِ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جہنمی نہیں ہے۔

بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام جنتی ہیں۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ (سورۃ الحدید۔ آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ: تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ اور جہاد کیا اور اُن سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔

اس آیت میں حُسنیٰ سے مراد جنت ہے اور سب کے

سب صحابہ کرام جنہوں نے فتح سے پہلے یا فتح کے بعد مال خرچ کیا یا قتال کیا ان کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ انفاق اور قتال کی صفت تقیید نہیں ہے بلکہ یہ صفت مدح کے لیے ہے کیونکہ تمام صحابہ ان صفات سے موصوف تھے جس کے سبب تمام کے تمام موعود بہ جنت ہیں۔

ملاحظہ کرنا چاہیے (سوچنا چاہیے) اس قسم کے بزرگان کو برائی سے یاد کرنا یا ان میں کوئی برا گمان رکھنا انصاف اور دیانت سے دور ہے۔

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد بعض صحابہ کرامؓ میں وہ خلوص نہ رہا۔ خلافت کی محبت اور جاہ و ریاست کی طلب کی وجہ سے حق کے راستہ سے پھر گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منصب خلافت کو چھین لیا بلکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ، ان کا انحراف حد کفر و ضلالت تک پہنچ چکا ہے۔ پھر ان کے گمان میں وہ وعدے جو صحابہ کی جماعت کے لیے کیے گئے ہیں یہ لوگ ان وعدوں اور نعمتوں سے محروم ہیں کیونکہ صحبت کی فضیلت تابع ہے اسلام کے اور جب ان کے اسلام میں ہی کلام ہے تو صحبت کی کیا تاثیر رہے گی۔

جواب:۔ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح احادیث کی رو سے جو کہ معنوی لحاظ سے حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں مبشر بہ جنت ہیں یعنی ان کے لیے جنت کی بشارت ہے تو ان سے کفر اور گمراہی کا احتمال ہی دور ہو چکا۔

نیز یہ حضرات شیخین اہلِ بدر بھی ہیں۔ جو صحیح احادیث کی رُو سے (مطلق طور پر) بخشے ہوئے ہیں اور یہ حضرات بیعت رضوان سے بھی مشرف ہوئے جو سب کے سب صحیح احادیث سے بہشتی ثابت ہو چکے ہیں۔ جیسے کہ اوپر گذر چکا ہے۔

اور حضرت عثمان رضؓ جو جنگ بدر میں حاضر نہ تھے اس کی وجہ آپ کی اہلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تیمارداری تھی جس کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو مدینہ منورہ چھوڑ کر آئے تھے اور فرمایا تھا جو فضیلت اہل بدر کو حاصل ہوگی آپ کو بھی حاصل ہوگی اور بیعتِ رضوان میں آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور ان کی طرف سے خود بیعت کی تھی۔ جیسے کہ مشہور ہے اور ان حضرات کی بزرگی کی شہادت قرآن کریم نے بھی دی ہے اور قرآن کریم ان کے بلند درجوں کی خبر دیتا ہے جو شخص قرآن وحدیث سے آنکھیں بند کرلے، ضد اور تعصب کرے وہ اس مبحث سے خارج ہے۔ جیسے کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا۔

؎ آنکس کہ بقرآن وخبر زو نرہی آن است جوابش کہ جوابش ندہی

جو شخص قرآن وحدیث کو نہیں مانتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو جواب مت دو۔ ہائے افسوس، کتنی با افسوس کی بات ہے۔

اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں احتمالِ گمراہی یا کفر ہوتا تو اصحاب پیغمبر باوجود اس قدر عادل ہونے اور راستی کثرت کے ان کو جانشین پیغمبر نہ بناتے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ کی خلافت کی تکذیب میں اس خیر القرون کے تینتیس ہزار اصحاب کی تکذیب ہوتی ہے۔ جس کو تھوڑی سی بھی عقل ہوگی اس بات کو پسند نہ کریگا۔ جب اس خیر القرون کے زمانہ کے تینتیس ہزار آدمی باطل پر جمع ہو جائیں اور ضال مضل (گمراہ و گمراہ کنندہ) کو جانشین پیغمبر بنائیں تو اس زمانہ میں کونسی خیریت رہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس جماعت کو انصاف (کی آنکھ) دے کہ اکابرین دین کی گستاخی سے زبان بند رکھیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے حق کو ملحوظ رکھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ مَنْ اَحَبَّھُمْ

نَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ

ترجمہ:۔ اللہ سے ڈرو ، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں ان کو میرے بعد (الزامات کا) نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی میری وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے اور بدیہی سے زیادہ روشن امر کو کیا روشن کیا جائے کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ جن کی مدح سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ صرف ایک سورۃ والیل میں تین آیات مبارکہ ان کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں۔

اور صحیح احادیث ان کے فضائل میں اتنی ہیں کہ ان کو گنا نہیں جاسکتا۔ اور گذشتہ انبیاء کرام کی کتابوں میں بھی ان کے اوصاف حمیدہ اور صفات رشیدہ کا ذکر ہے۔ بلکہ جمیع صحابہ کا ذکر آیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ذَالِكَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔ (یہ مثال ان کی تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی) اور اس امت کے جو کہ بہترین اُمم ہے اس کے سردار رئیس بھی تو یہی ہیں۔ جب ان کو گمراہ اور کافر کہا جائے تو پھر اوروں کا کیا حال رہے گا۔ اور ان کی نسبت کس طرح کلام کیا جائے۔

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ (سورۃ الزمر۔ آیت نمبر ۴۶)

تم عرض کرو اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے مخفی و ظاہر جاننے والے تو اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا۔ جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔

وَالسَّلام علیٰ مَن اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ وعلیٰ وآلہٖ الصَّلوٰة والتسلیم واتمھا واکملھا۔